© rasailojaraid.com

وفیات

(اختری بیگم)

مجھے اسی میں تامل تھا کہ ایک شخصی حادثہ اور واقعہ کا ذکر برہان میں مناسب ہو گا یا نہیں کہ گذشتہ ماہ کے برہان کی سب کاپیاں جب لکھی جا چکیں تو برادرِ محترم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کا خط آیا کہ اس مہینہ کا برہان مکمل ہو گیا اور تم نے کچھ نہیں لکھا، دلہن کا برہان پر حق ہے، آیندہ پرچہ کے لئے وفیات کے ماتحت ضرور لکھدو، آخر مولانا نعمانی اور مولانا دریابادی نے بھی تو الفرقان اور صدقِ جدید میں اسی نوع کے حادثہ پر لکھا تھا۔ اس خط سے میری ہمت بندھی اور سطورِ ذیل اسی کا نتیجہ ہیں۔

اختری بیگم کی والدہ انوری بیگم میرے والد ماجد ڈاکٹر محمد ابرار حسین صاحب مرحوم و مغفور کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ ان کی شادی مرادآباد کے ایک نجیب الطرفین سید اشفاق علی صاحب سے ہوئی اور ان سے ایک لڑکا سید عاشق علی اور ایک لڑکی اختری بیگم پیدا ہوئی۔ مرادآباد کے محلہ تمباکو والا میں قاضی عبدالغفار مرحوم کے مکان سے بالکل متصل ان کا مکان تھا اس میں یہ رہتے تھے، اس مکان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جانب سید ابن علی صاحب مرحوم مالک و ایڈیٹر اخبار نیترِ اعظم کا مکان اور پریس تھا اور وہ ہمارے رشتہ دار بھی ہوتے تھے، میں ان کو تاکے ابّو کہتا تھا۔ سید اشفاق علی صاحب کے مکان میں جو درحقیقت ان کی بیوی انوری بیگم کا موروثی مکان تھا دونوں گھروں کی کھڑکیاں کھلتی تھیں اور روزمرہ اس گھر سے اس گھر میں آنے جانے کا رواج تھا۔

ابھی اختری بیگم تین برس کی تھیں کہ ان کے والد ماجد کا ایک مختصر علالت کے بعد اچانک انتقال ہوگیا، میری عمر اس وقت آٹھ برس کی ہوگی، مجھے مرحوم کی ایک جھلک سی یاد ہے، کشیدہ قامت، شربتی آنکھیں، کشادہ پیشانی، سانولا سلونا رنگ، سر پہ بیٹھے، اور اس پر رام پور کی مخملی ٹوپی، شیروانی اور چوڑی دار تنگ مہریوں کا پاجامہ انوری بیگم کے والد محمد مظہر الدین ہاتھیوں کی تجارت کرتے تھے اور اس وجہ سے گھر میں روپیہ کی ریل پیل تھی، مگر آدمی تھے نہایت فضول خرچ اس لئے جو کچھ کماتے تھے سب اڑا دیتے تھے، اور ان کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا، ان کی والدہ رقیہ بیگم جو میرے والد صاحب کی پھوپی تھیں اور والد صاحب سے بیحد محبت کرتی تھیں وہ بھی خدا کو پیاری ہو چکی تھیں، اس لئے اب انوری بیگم بیوہ ہوئیں تو گذر بسر مشکل ہوگئی۔

والد صاحب قبلہ آگرہ کے نامی گرامی ڈاکٹر تھے، سرکاری تنخواہ کے علاوہ اوسطاً آٹھ نو سو روپیہ ماہوار کی پریکٹس رکھتے اور بڑی خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تھے، کنبہ پروری ان کا خاص ذوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے متعدد بھتیجوں اور بھتیجیوں کی سرپرستی کی، ان کو اپنے ہاں اولاد کی طرح رکھا، لکھایا پڑھایا اور شادی بیاہ کرکے ان کے گھر بسا دیئے، والد صاحب کو اپنی پھوپی سے بڑی محبت تھی ہی، اب بہن یعنی انوری بیگم بیوہ ہوئیں تو والد صاحب نے فوراً ان کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دونوں بچوں (سید عاشق علی اور اختری بیگم) کے ساتھ ہمارے ساتھ رہنے لگیں، اسی طرح میرا اور اختری بیگم کا نشو ونما ایک ساتھ، ایک گھر اور ایک ماحول میں ہوا، جن دوستوں کو اس کا علم نہیں ہے وہ ہم دونوں کی شادی کا حساب لگا کر افسوس کرتے ہیں کہ ترپن چوّن (۵۳، ۵۴) برس کا ساتھ چھوٹ گیا، حالانکہ ساتھ عمر بھر کا چھوٹ گیا ہے۔

اختری بیگم اللہ کے فضل وکرم سے نہایت سرخ وسفید، بڑی خوبصورت اور تندرست پیدا ہوئی تھیں اسلیے والدہ صاحبہ مرحومہ نے اُن کو اسی وقت میرے لئے مانگ لیا تھا۔ لیکن ہم بچوں کو اس کی کیا خبر اور اگر خبر ہو بھی تو ہم سمجھیں کیا کہ مانگنے کا مطلب کیا ہوتا ہے، بہرحال ہم دونوں بچے ساتھ پڑھتے، ساتھ کھیلتے، ساتھ اٹھتے بیٹھتے، اور کبھی بچوں کی طرح آپس میں لڑ جھگڑ بیٹھتے بھی تھے، ہائے بچپن کی معصوم محبت! ایک کشش تھی مگر مبہم سی، ایک خاص دلچسپی تھی مگر کیوں؟ ایک جذبہ کی لہر بیساختہ دل میں اٹھتی تھی، لیکن کس لئے؟ یہ سب کچھ نامعلوم! محبت اور شرارت میں چولی دامن کا ساتھ ہے، وہ اگر معصوم ہو تو اس کا معصوم ہونا بھی لازمی ہے، "ابا دیکھئے، سید بھیا نہیں مانتے، میری گڑیا لیکر بھاگ گئے ہیں، زینہ پر کھڑے ہو کر وہ زور سے کہتیں، ابا مرضیوں میں گھرے بیٹھے تھے، وہ کیا سنتے! میں ایک کونہ میں چھپا ہوا وہیں سے بولتا۔

"ارے میرا بس چلے تو میں تو تم کو بھی لے کے بھاگ جاؤں"۔

اچھا! آپ مجھے بھی لے کے بھاگ جائیں گے! کیوں! وہ آنکھیں گھما کے کہتیں۔

کیونکہ تم گڑیا سے بھی زیادہ حسین ہو"۔

اچھا! تو آپ مجھے لے کر کہاں جائیں گے؟

"جہاں کوئی نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اللہ میاں تو ہوں گے"

دنیا والے بے رحم ہیں، اللہ میاں بے رحم نہیں"

اکیلے میں جی نہ گھبرائیگا؟

تم ساتھ ہو گی تو دل نہ گھبرائیگا۔"

بچپن کی باتیں ہوائی ہوتی ہیں ان کا اعتبار ہی کیا۔ لیکن کیا خبر تھی کہ دو بچوں کی یہی معصومانہ باتیں ان کی حیاتِ مستقبل کے لئے نوشتۂ تقدیر کی لکیریں بن جائینگی یہ گویا متن ہونگی اور زندگی کی پوری داستان اس کی تفسیر یا وہ ایک خواب ہونگی اور مستقبل اس کی ایک تعبیر!

سید عاشق علی کو والد صاحب قبلہ نے لکھایا پڑھایا۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں ڈاکٹر بنائیں لیکن جب وہ ہائی اسکول (اس زمانہ میں انٹرنس) نہ کر سکے تو والد صاحب نے انہیں کمپاؤنڈر بنوا دیا۔ اس حیثیت سے وہ آگرہ کے اطراف و اکناف کے متعدد شفاخانوں میں رہے اور بہت کامیاب رہے، سند یافتہ نہ ہونے کے باوجود ڈاکٹری کرتے اور معقول آمدنی رکھتے تھے، اب وہ سرکاری ملازم ہو گئے تو اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ ہم سے الگ رہنے لگے اور اب ہم دونوں میں پردہ ہو گیا۔ اس پہ دو تین برس گذرے ہوں گے کہ میں دیوبند سے فارغ ہوا اور حج کر کے والدۂ مرحومہ کی نذر اور شادی کی شرط بھی پوری کر آیا تو اب والدین کو میرا گھر بسانے کا خیال ہوا رشتہ پہلے سے طے تھا ہی۔ بعض اونچے گھرانوں کے رشتوں کی وجہ سے بعض لوگوں نے بھانجی مارنی چاہی لیکن والدۂ مرحومہ کے اور میرے مستمند اصرار کے باعث والد صاحب قبلہ بھی یکسو ہو گئے، اور مئی ۱۹۲۸ء کی تاریخ مقرر ہو گئی، سید عاشق علی ان دنوں اعتماد پور (آگرہ اور ٹونڈلہ کے درمیان ایک قصبہ) کے شفاخانہ میں تھے، بارات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہیں گئی، یہ بارات بہت سادہ تھی۔ لیکن اس کا امتیاز یہ تھا کہ ملت اسلامیہ ہندو پاک کے اکابر علماء یعنی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد انور شاہ الکشمیری، حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سراج احمد رشیدی، مولانا بدر عالم میرٹھی مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد ادریس سکروڈوی، اور مولانا محمد یحییٰ تھانوی اس بارات کے باراتی تھے، آگرہ کی سرزمین نے کسی بارات میں ایسی نادرۂ روزگار شخصیتوں کا بیک وقت اجتماع کب دیکھا ہوگا، حضرت شاہ صاحب نے نکاح پڑھایا۔ جب نکاح ہو چکا تو حضرت نے میری طرف دیکھا، مسکراتے مبارکباد دی اور کچھ پڑھ کر مجھ پر دم کیا۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ناسازگی طبع کے باعث تشریف نہ لاسکے تھے۔ آپ نے دیوبند سے آگرہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کو خط لکھا کہ ڈاکٹر صاحب (والد صاحب مبلہ) کو اس تقریب سعید کی میری طرف سے مبارکباد دینا اور ساتھ ہی تاکیداً لکھا کہ تم سب اب آگرہ سے ڈابھیل کے لئے روانہ ہو گئے تو سعید کو اس وقت ساتھ نہ لے جانا بلکہ پندرہ بیس دن کے لیے اسے آگرہ میں چھوڑ جانا۔ ہائے جنید وقت اور شبلی روزگار کی یہ بزرگانہ شفقتیں! اب یاد آتی ہیں تو بے ساختہ جی بھر آتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب پر میں عنقریب ایک مضمون لکھوں گا۔

اب دو تین برس کے فصل کے بعد ہم دونوں پھر اک ساتھ تھے اور اپنائیت کے اس اذعان و یقین کے ساتھ جس کی نہایت بلیغ تعبیر قرآن مجید میں وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ فرما کر کی گئی ہے، ظاہر ہے ہر بیوی محبوبہ نہیں ہوتی اور اسی طرح ہر محبوبہ بیوی نہیں ہوتی، اسلئے اگر کسی میں یہ دونوں وصف جمع ہوں تو اس کو ایک نعمت خداوندی اور عطیۂ ایزدی سمجھنا چاہیئے، پھر اگر محبت وہ ہو جو شیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی امنگوں کی مرہونِ احسان نہ ہو بلکہ اس کی آبیاری بچپن کی معصوم طلب و جستجو کی نرم و نازک زمین میں ہوئی ہو تو اسے تو نعمتِ عظمیٰ اور قدرت کی طرف سے موہبتِ کبریٰ جاننا اور یقین کرنا چاہیئے، میں مرحومہ کو ایسا ہی سمجھتا تھا مجھکو ان سے محبت ہی نہ تھی بلکہ یک گونہ عقیدت بھی تھی۔ اور اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ ان کی پرورش یتیمی کی حالت میں ہوئی تھی، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ سیدہ تھیں، اور ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کی فراخ اور کشادہ پیشانی میں مجھے ایک نور سا جھلکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

مرض الموت میں جو واقعات پیش آئے جو میں آگے لکھوں گا ان سے اسی نور کی وجہ سمجھ میں آئی، اس لئے شروع سے میرے تحت الشعور میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھکو جو کچھ دے رہا ہے یا آئندہ دیگا وہ ان کی اور ان کے بچوں کی قسمت سے دیگا۔

مرحومہ کو حسن و جمالِ ظاہری کی طرح حسن و جمالِ معنوی سے بھی بہرۂ وافر ملا تھا، نماز، روزہ اور تلاوت کلام مجید کی بڑی پابند تھیں، مطالعہ ان کا نہایت محبوب مشغلہ تھا۔ ناول اور افسانے کم، مذہبی اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ بڑے انہماک اور توجہ سے کرتی تھیں، میں نے لیٹ کر یا کسی چیز سے ٹیک لگا کر کتاب یا اخبار اور رسالہ پڑھتے کبھی نہیں دیکھا، حافظہ بہت اچھا تھا جو پڑھتیں وہ یاد رہتا تھا۔ کم سخن تھیں مگر جب بات کرنے پر آتی تھیں خوب بولتی تھیں، طبیعت کی نہایت نیک اور صالحہ تھیں، کوئی نازیبا کلمہ زبان سے نکالنا تو بڑی بات ہے، میں نے ان کو کبھی کسی کی بُرائی یا غیبت کرتے نہیں سنا۔ خیر خیرات، داد و دہش اور خاطر تواضع کرنے کی دھنی تھیں۔ جو ایک مرتبہ مل لیتا ان کے حسنِ اخلاق کا گرویدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوجاتا تھا۔ اچھا کھانے اور اچھے لباس کا ان کو شوق تھا۔ مگر روپیہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ نوکر چاکر الٹا سیدھا جو چاہیں کریں وہ پکڑ دھکڑ نہ کرتی تھیں، حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا بڑا خیال رکھتی تھیں، عفت و عصمت کا یہ عالم تھا کہ میں اس کی قسم کھا سکتا ہوں، میں جب کبھی سفر میں جاتا وہ فوراً قرآن شریف لے کر کھڑی ہو جاتیں اور اس کے نیچے سے تین مرتبہ نکال کر اور خدا حافظ کہہ کر رخصت کرتیں اور جب واپس آتا تو دروازہ پر استقبال کرتی تھیں، صبر و شکر اور تسلیم و رضا ان کی خو تھے، بڑے سے بڑے حادثہ میں بھی میں نے ان کو جزع و فزع کے بجائے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہی دیکھا، غرضکہ حدیث میں جس کو مراۃِ صالحہ فرمایا گیا ہے، مرحومہ اسکی صحیح مصداق تھیں۔

گذشتہ مئی کی پندرہ تاریخ کی صبح کو وہ ہم سب لوگوں کے ساتھ ناشتہ سے فارغ ہوئیں اور حسبِ معمول وہیں کرسی پر بیٹھے بیٹھے اخبار پڑھنا شروع کر دیا، اسی حالت میں اچانک وہ کرسی پر سے گر پڑیں، ہم لوگوں نے اٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا مگر اب دیکھا کہ منہ ٹیڑھا ہو گیا ہے اور دھڑ ایسا بے حس ہو گیا ہے کہ ہر چند وہ اٹھنا چاہتی تھیں مگر نہیں اٹھ سکتیں، ڈاکٹر کو بلایا گیا، انہوں نے کہا بلڈ پریشر بہت ہائی ہے، اسکی وجہ سے فالج کا حملہ ہوا ہے اور اس کا اثر بائیں جانب ہے ایمبولینس کار کے ذریعہ انہیں یونیورسٹی کے میڈیکل کالج میں داخل کر دیا گیا، یہاں بہتر سے بہتر علاج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ لائق اور قابل ڈاکٹروں اور نرسوں کی ٹیم مصروفِ خدمت رہتی تھی۔ علاج سے شروع میں فائدہ نظر آتا تھا۔ مرحومہ کا دماغ ابھی تک متاثر نہ تھا۔ منہ جو ٹیڑھا ہو گیا تھا وہ سیدھا ہو گیا۔ فالج زدہ ہاتھ پاؤں حرکت کرنے لگے اور بستر پر ہی تکیہ کے سہارے بیٹھنے بھی لگیں،

لیکن ۲۴ رمئی کے بعد سے بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باعث اب ان کی حالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر گرنی شروع ہوئی اور اس میں تغیر و تبدل پیدا ہونے لگا۔ البتہ گھبراہٹ بہت تھی مگر دماغ اور زبان دونوں کام کر رہے تھے، گھر کے افراد اور عزیز قریب جو باری باری سے چوبیس گھنٹے تیمارداری کر رہے تھے اور عیادت کرنیوالی خواتین جن کا شام کو تانتا بندھا رہتا تھا ان سب کو پہچانتی اور باتیں کرتی تھیں۔ مگر پیٹ میں جو تکلیف بتاتی تھیں اس کی وجہ سے ہائے ہائے کرتی اور بے چین رہتی تھیں اسی عالم میں بار بار کہتیں: ارے مجھے اٹھاؤ، میں غسل خانہ جاؤں گی، وضو کروں گی میرے کپڑوں کا اعتبار نہیں، انہیں پاک کروں گی، ۶ جون کی شام کو میرا سر اپنے منہ کے قریب لیجا کر بولیں: میری اولاد آپ کی بھی تو اولاد ہے نا! ان کا خیال رکھیے، سب سے چھوٹی بچی جویل۔ اسے کر رہی ہے اس کا نام لے کر بولیں: اسکی جلد شادی کی فکر کیجئے، اس کے بعد آسمان کی طرف انگشتِ شہادت متعدد بار اٹھائی اور کلمۂ طیبہ پڑھا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ۶ کو اور پھر ۷ رجون کو بھی عصر اور مغرب کے درمیان دوسرے افرادِ خانہ کی موجودگی میں مجھ سے سامنے کی طرف اشارہ کر کے بولیں: وہ دیکھئے! سامنے حضرتِ عائشہؓ اور حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہیں، اور حضورؐ بھی تشریف لائے ہیں مگر آپ انگلی سے اشارہ کر کے پیچھے کے کمرہ میں بیٹھ گئے ہیں۔ پھر مجھ سے کہا: آپ ذرا حضورؐ کے پاس جائیے اور میرے لیے دعا کی درخواست کر دیجئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر التجا و التماس کے لہجہ میں بولیں۔ جائیے نا! حضورؐ سے میرے لئے دعا کی درخواست کر دیجئے، اسی سلسلہ میں ایک بار کہا: وہ دیکھئے! حضرت بلالؓ اذان دے رہے ہیں، مجھکو اٹھائیے میں وضو کروں گی۔

بچوں اور بچیوں نے یہ باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئے۔ مگر میرا دل اسی وقت بیٹھ گیا اور یقین ہو گیا کہ اب مرحومہ کا تعلق عالم ارواح سے ہو رہا ہے اور اس دنیا سے رشتہ منقطع ہونیوالا ہے، حضرتِ عائشہؓ سے ان کی روح کو بڑی مناسبت تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُم المومنین کو ایک مرتبہ انہوں نے کلکتہ میں خواب میں اس دن بھی دیکھا تھا جس دن میں اپنی کتاب صدیق اکبرؓ کی ترتیب وتالیف سے فارغ ہوا تھا، اس واقعہ کو میں کہیں اور لکھ چکا ہوں، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ؛

اس گفتگو کے بعد مرحومہ ایک ماہ اور سات دن اور زندہ رہیں مگر ان کی مجھ سے یہ گفتگو بالکل آخری تھی۔ کیونکہ ۸ رجون کی صبح کو میں مجلس شوریٰ میں شرکت کے لیے دیوبند چلا گیا، ۹ ر کی شب میں واپس آیا۔ ۱۰ ر کی صبح کو میڈیکل کالج پہونچا تو وہ مکمل بے ہوش ہو چکی تھیں، فالج کا حملہ دماغ پر ہو گیا تھا اور وہ انگریزی میں تھیں، آخری دم تک یہی حالت رہی اور وہ ہوش میں نہ آئیں، غالباً رمضان کے ماہ مقدس کا انتظار کر رہی تھیں، جولائی کی ۱۳ ر اور رمضان کی پہلی تھی کہ عصر اور مغرب کے درمیان بڑی خاموشی اور سکون سے روح قفس عنصری سے اچانک پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت میری دو لڑکیاں محمودہ اور ریحانہ اور ایک لڑکا جنید جو پاکستان سے آئے ہوئے تھے اور ایک اور لڑکا خورشید اور اسکی دلہن منیبہ موجود تھے۔ میں دس منٹ لیٹ پہونچا۔ ایک ماتم بپا تھا۔ آس پاس کی ہندو مسلمان عورتیں، اور مرد بھی زار وقطار رو رہے تھے، میں نے سب کو صبر کی تلقین کی اور اب چادر اٹھا کر دیکھا تو اللہ اکبر! کیسا نورانی اور باوقار چہرہ تھا، معلوم ہوتا تھا ایک دلہن خواب نوشین میں مستغرق ہے، دوسرے دن صبح کے وقت نہلا دھلا کر ان کو کفن میں ملبوس کیا گیا تو پچاسوں خواتین اور اعزہ کے ساتھ میں نے اس وقت آخری زیارت کی تو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ معاً دل نے کہا: کیا جنت کی حور ان سے بھی زیادہ حسین ہو سکتی ہے؟ اور پھر یاد آیا کہ ہاں! بچپن میں گھر کے لوگ انہیں بی بی حور کہہ کر پکارتے بھی تو تھے، اور اب خیال آیا کہ مجھے ان کی پیشانی میں جو نور چمکتا ہوا نظر آتا تھا وہ بھی تھا۔ یہ دنیا عالم مثال کا ایک پیکر نہیں تو اور کیا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاعدہ کلیہ ہے: "کل شیء یرجع الی اصلہ" یعنی

پہونچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مواقع پر ازدواجی تعلق کی مخصوص نوعیت و کیفیت اور اس کے مادی و روحانی ثمرات و نتائج کمال بلاغت سے بیان فرمایا ہے، ایک جگہ ارشاد ہوا:

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون

سورۃ الروم

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تمہیں ان کے پاس سکون ملے اور تم میں باہمی محبت اور پیار کو پیدا کر دیا، بلاشبہ غور کرنے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ازدواجی تعلق کا جو ایک عظیم اسلامی فلسفہ بیان کیا ہے وہ ہر اس مادی نظریۂ حیات کو ایک چیلنج ہے جس نے عورت کو صرف التذاذ جسمانی کا اور ازدواج کو توالد و تناسل کا ذریعہ اور آلہ قرار دیا ہے، اس سے اور اسی مضمون کی دوسری آیات سے دراصل جتانا یہ مقصود ہے کہ بیوی شوہر کے لئے پورے کارزار حیات میں اسکی ممد و معاون اور زندگی کے ہر نشیب و فراز میں اسکی دمساز و رفیق ہوتی ہے، مسرت کا موقع ہو تو اس کی شرکت سے مسرت دوبالا اور اگر مرحلۂ غم ہو تو اس کی معیت مایۂ تسکین ہوتی ہے، اور اس کا ثبوت اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھ کر کیا ہوگا کہ فخرِ موجودات و سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس برس کی عمر میں ٹھیک اُس وقت جب کہ عداوت و مخالفت کی تیز و تند ہوائیں چل رہی تھیں اپنی بوڑھی رفیقہٴ حیات کی جدائی سے دل پر جو چوٹ کھائی تھی آپ کبھی اُس کو بھلا نہ سکے، حضورؐ کا یہ تاثر درحقیقت مذکورہ بالا آیت کی ایک عملی اور نفسیاتی تفسیر ہے اور اس میں یہ سبق بھی ہے کہ اسلام میں ایک شوہر کا تعلق اپنی بیوی کے ساتھ ایسی ہی محبت و مودت کا ہونا چاہیئے، تاکہ عورت صحیح معنٰی میں مرد کی عفت و عصمت کی نگراں اور محافظ بن سکے۔

محبت کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں اور نوعیت کے ہی اعتبار سے محبوب کی جدائی کا غم مختلف قسم کا ہوتا ہے، چنانچہ جب والدہ ماجدہ کا انتقال پُرملال ہوا (۱۳۴۴ھ) تو بالکل یہ محسوس ہوا کہ میرے سر پر ایک چھت تھی جو میرے اور بلیّاتِ آسمان کے درمیان حائل رہتی تھی وہ اچانک اُڑ گئی ہے اور اب میرے اور آسمان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں رہی، پھر والد صاحب قبلہ رخصت ہوئے (۱۳۵۳ھ) تو واقعی ایسا لگا کہ ایک کنج باغ میں میں دیوار سے ٹیک لگائے اطمینان سے بیٹھا گنگنا رہا تھا کہ ناگاہ ایک زلزلہ آیا اور دیوار اڑ اڑ دھم کر کے گر پڑی، اور اب یہ نیا حادثہ پیش آیا (۸ جولائی ۱۹۷۵ء) تو قطعاً یہ معلوم ہوا کہ میں ایک ریل میں سوار تھا اور ریل بڑے زور شور سے دندناتی اور بجلی کی طرح کوندتی چلی جارہی تھی کہ یک لخت ایک جھٹکا لگا اور ٹرین پٹری سے اتر گئی، رات اندھیری ہے اور جنگل سنسان، میری زبان سے بے ساختہ نکلا ——— "اب کیا ہوگا!!"

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَ بَرِّدْ مَضْجَعَھَا وَارْحَمْھَا رَحْمَۃً کَثِیْرَۃً وَّاسِعَۃً

جاتے ہوئے کہتی ہو قیامت کو ملیں گے — کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

سید احمد اکبر آبادی

© rasailojaraid.com